عزت کا معیار

محمد یوسف اصلاحی

دولت، جایداد، عیش و آرام کے اسباب و وسائل، سکون اور سہولت کے سامان، اللہ کی نعمتیں ہیں۔ ہر دور میں انسان نے ان نعمتوں کو حاصل کرنے اور ان سے لذّت اندوز ہونے اور لذت اندوز رہنے کی کوشش و کاوش کی ہے اور اللہ نے اپنی حکمت و مشیّت کے تحت جس کو جس قدر چاہا نوازا ہے۔ ان نعمتوں کے حصول کی فکروکاوش کے بارے میں کون کہہ سکتا ہے کہ غلط اور ناپسندیدہ ہے، مگر دورِحاضر میں ان نعمتوں کے حصول کی فکروکاوش نے ہوس اور حرص کی شکل اختیار کرلی ہے۔ اور یہ ہوس ہر انسان پر اس طرح چھائی ہوئی نظر آتی ہے کہ قناعت کا مفہوم سمجھنا اور سمجھانا بہت مشکل ہوگیا ہے۔ فضائلِ اخلاق کی فہرست میں قناعت کا عنوان تو ضرور مل سکتا ہے لیکن انسانی زندگی میں قناعت کا مصداق ملنا بہت دشوار ہوگیا ہے۔

کسی مجلس میں اس ہوس اور حرص و لالچ کا ذکر چھڑ جائے تو شاید کوئی ایک سنجیدہ انسان بھی ایسا نہ ملے جو اس سے نفرت اور بے زاری کا اظہار نہ کرے، لیکن عملاً کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس دور کے ہر انسان کا نصب العین شعوری یا لاشعوری طور پر یہی ہے کہ وہ جلد سے جلد دولت مند بن جائے اور اس کا محل دوسروں کے محل سے اُونچا نظر آئے۔

ہر ایک اسی فکر اور دُھن میں ڈوبا ہوا نظر آتا ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ دولت سمیٹ لے، آرام و آسایش اور عیش و عشرت کے زیادہ سے زیادہ وسائل فراہم کرے، آرایش و نمایش کی چیزوں سے اپنے دولت کدے کو سجالے، تاکہ اپنے عزیز و اقارب اور حلقۂ احباب میں اپنی فوقیت

اور عظمت کا سکّہ بٹھا سکے، محفل میں بیٹھ کر لاکھوں کی بات کر سکے اور ان اسباب و وسائل کا تذکرہ کر سکے جن کا ہونا آج زندگی کی قدر و عظمت کا معیار بن چکا ہے۔ بہترین لباس، بہترین سواری، شان دار کوٹھی، اور اسباب زینت و آرایش سے دوسروں کو مرعوب کرنا اور اپنی فوقیت جتانا آج کا عام رجحان اور عام اندازِ فکر ہو گیا ہے۔

سب سے زیادہ افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ جن لوگوں کو انسانیت کی اصل قدروں کا شعور ہے، جو آخرت کی ترجیح کی باتیں کرتے نظر آتے ہیں اور جو عام رجحان پر تنقید کرتے نظر آتے ہیں اور اس فکرِ بد پر غم و افسوس کا اظہار کرتے ہیں، وہ بھی عمل اور سماج کی زندگی میں انسان کو انھی پیمانوں سے ناپتے اور اس کے مطابق انسان کا مقام متعین کرتے اور انسانوں سے معاملہ کرتے ہیں۔

غرض پورا سماج دولت کی ہوس میں بے تحاشا دوڑ رہا ہے۔ ہر ایک کو دولت کی ہوس نے دیوانہ بنا رکھا ہے۔ ہر شخص اس فکر میں سوتا ہے کہ شب میں کوئی سہانا خواب دیکھے اور صبح کو جب اُٹھے تو وہ کروڑوں کا مالک ہو۔ لمحوں میں دولت مند بن جانے کی ہوس شاید اسی دور کی خصوصی فکر ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ خدا کا یہ نائب شاید زمین پر اسی لیے بھیجا گیا ہے۔ وہ کائنات کا علم بھی اس لیے حاصل کرتا ہے کہ کائنات کی دولت کو قبضے میں لے آئے اور عیش کے سارے سامان فراہم کر کے دادِ عیش دینے میں لگا رہے۔ سوسائٹی کا ہر فرد، الا ماشاء اللہ اس خبط میں مبتلا ہے کہ وہ زندگی کے ان گنے چُنے دنوں میں جس قدر دولت سمیٹ سکے سمیٹ لے، اس کے سوا زندگی کا اور کوئی مقصد نہیں ہے۔ یہی انسان کی معراج ہے۔ یہی قدر و عظمت کی علامت ہے اور یہی انسان کی فکر و صلاحیت اور توانائیوں کا مقصد و محور ہے۔

آپ کسی سے تعلّق جوڑ رہے ہوں یا کسی سے تعلّق توڑ رہے ہوں، بیٹی یا بیٹے کا رشتہ کر رہے ہوں، یا رشتے سے انکار کر رہے ہوں، یا سماج میں سماجی تعلّق رکھنے اور جوڑنے کا سوال ہو، اولین چیز جو تعلّق جوڑنے اور کسی سے قریب ہونے میں فیصلہ کن بنتی ہے وہ دنیا اور دنیا کی دولت ہے۔ رشتہ قائم کرتے وقت جو سوالات ذہن کے اُفق پر قدرتی انداز میں اُبھرتے ہیں وہ کچھ اسی قسم کے ہوتے ہیں: دولت و ثروت کا کیا حال ہے؟ بزنس کیسا ہے؟ عہدہ کیا ہے؟ آمدنی کس قدر ہے؟ جاگیر، جایداد اور رہن سہن کا معیار کیسا ہے؟

ان سوالات کی زبردست یلغار میں اول تو دین واخلاق کا سوال سامنے ہی نہیں آتا اور اگر کبھی سوال اُبھرتا ہے تو دین واخلاق کی قلیل سے قلیل مقدار کا محض تصور بھی اطمینانِ قلب کا سامان بن جاتا ہے۔ اس لیے کہ فیصلہ کُن قدر مال و دولت کی فراوانی ہے نہ کہ دین و ایمان۔ اس کے برخلاف اگر ایمان واخلاق کا اعلیٰ معیار بھی میسر آئے، لیکن غربت وافلاس اور دنیوی خستہ حالی کی تلافی، ایمان واخلاق سے نہیں ہو پاتی، خواہ ایمان واخلاق کا معیار جس قدر بھی بلند ہو۔

اُمت کی پستی اور ذلت وخواری کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ سوسائٹی میں ایمان واخلاق کی ناقدری عام ہے اور قدر ومنزلت کا معیار دولت وثروت ہے۔ اللہ کے رسول صادق و امین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مسلمانوں کی سوسائٹی میں دین واخلاق کی قدر وقیمت ختم ہوجائے تو زمین میں فتنہ وفساد پھیل جائے گا۔ آج ہمارا معاشرہ اسی مصیبت اور خواری میں مبتلا ہے۔

کسی اور کے ساتھ آپ انصاف کرسکیں یا نہ کرسکیں، کسی اور کے لیے سنجیدہ ہوسکیں یا نہ ہوسکیں، کم ازکم اپنے ہی ساتھ انصاف کیجیے اور اپنے معاملے پر ہی سنجیدگی سے غور کیجیے۔ اللہ نے آپ کو بیٹے بھی دیے ہیں اور بیٹیاں بھی۔ دنیا کی سوسائٹی میں آپ کو بیٹوں کی شادیاں بھی کرنی ہیں اور بیٹیوں کی بھی۔ پیغام دیتے وقت اور پیغام قبول کرتے وقت کیا آپ کے سامنے دین واخلاق کا سوال رہتا ہے؟ آپ کے حلقۂ احباب میں تعلّق کی بنیاد کیا ہے؟ لڑکی کا پیغام قبول کرنا ہو یا لڑکے کا پیغام دینا ہو؟ کیا آپ کا معیار دین وایمان رہتا ہے، یا محض دولت وثروت؟

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ایک معیار دیا ہے۔ اگر یہ معیار آپ کے سامنے رہتا ہے اور سوسائٹی اس معیار کو معیار قرار دیتی ہے تو یہ اُمت کبھی ذلّت وخواری کا شکار نہیں ہوسکتی۔ لیکن یہ اُمت اگر رسول پاکؐ کے دیے ہوئے معیار کو معیار قرار نہیں دیتی۔ اس معیارِ قدر ومنزلت کو ٹھکرا کر اپنے ذہن وفکر کے معیار پر اپنی سوسائٹی اور خاندان کی تعمیر کرتی ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اور دولت و جایداد، اور دنیوی عروج کی کوئی قوت اس کو ذلت ورسوائی اور فتنہ وفساد سے نہیں بچاسکتی۔ اللہ کے رسولؐ صادق وامین نے فرمایا ہے:

اِذَا خَطَبَ اِلَیْکُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِیْنَہٗ وَخُلُقَہٗ فَزَوِّجُوْہُ اِنْ لَّا تَفْعَلُوْہُ تَکُنْ فِتْنَۃٌ فِی الْاَرْضِ وَفَسَادٌ کَبِیْرٌ (ترمذی، عن ابی ہریرہؓ) جب تمھارے یہاں کسی

ایسے شخص کا پیغام آئے جس کے دین واخلاق سے تم مطمئن ہو تو (بلا تاخیر) اس سے اپنی دوشیزہ کا نکاح کردو۔ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ پھیل جائے گا اور بہت بڑا فساد برپا ہو جائے گا۔

اسی طرح آپؐ نے لڑکی کے انتخاب کے بارے میں ہدایت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

تُنْکَحُ الْمَرْءَۃُ لِاَرْبَعٍ لِمَالِھَا وَلِحَسْبِھَا وَلِجَمَالِھَا وَلِدِیْنِھَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّیْنِ تَرِبَتْ یَدَاکَ (بخاری، مسلم، عن ابی ہریرہؓ)، عورت سے شادی چار بنیادوں پر کی جاتی ہے: مال و دولت کی وجہ سے، حسب و نسب کی وجہ سے، حُسن و جمال کی وجہ سے اور دین کی وجہ سے، تو تم دین دار خاتون کو حاصل کرو، تمھارا بھلا ہو۔

اس گفتگو کا مقصد یہ ہرگز نہیں ہے کہ دین میں مال و دولت، حسب و نسب اور حُسن و جمال کی کوئی حیثیت اور مقام ہی نہیں ہے۔ یقیناً ان چیزوں کا پاس و لحاظ بھی رکھنا ہے اور یہ بھی خدا کی نعمتیں ہیں، نہ ان سے صرفِ نظر کی بات کہی جارہی ہے اور نہ ان کی ناقدری کوئی دانش مندی کی بات ہے۔ دنیا میں تعلّق جوڑنے اور سماج میں رہنے، یا رشتہ قبول کرنے نہ کرنے میں ان نعمتوں کو نظرانداز کرنا اور ان کی تحقیر و تذلیل کرنا ہرگز درست نہیں۔ بات جو کہی جارہی ہے وہ یہ ہے کہ یہی زندگی کا محور و مرکز نہ بن جائیں۔ اصل فیصلہ کن چیز دین و ایمان ہے، زندگی کا مقصود اور نصب العین، دین و اخلاق ہو اور دین و اخلاق کو بنیاد بنا کر زندگی کی تعمیر کی جائے۔ اس بنیاد کے ساتھ دنیا کی جو نعمتیں بھی میسر آجائیں وہ خدا کا انعام و اکرام ہے اور ان کو اللہ کا انعام و اکرام سمجھ کر ہی شکرگزاری کے گہرے جذبات کے ساتھ قبول کرنا چاہیے۔ لیکن دین و ایمان سے محروم ہو کر جو بھی ملے وہ انعام و اکرام نہیں بلکہ خدا کا عذاب ہے، اس سے بچنے کی فکر کرنی چاہیے۔

اپنے روزانہ کے پروگرام میں

تفہیم القرآن سے آدھا گھنٹہ ، گھنٹہ

.... **قرآن کا مطالعہ بھی رکھیں** ....

اس کے فوائد آپ کو بچشمِ سر خود نظر آئیں گے